اسلام کے عائلی قوانین

سے متعلق تحقیق کے اصول وضوابط

مولانا سعید خان

اسلام میں عبادات کے بعد سب سے اہم شعبہ عائلی قوانین کا ہے۔ عائلہ عربی زبان میں ''خاندان'' کے معنی میں ہے۔ خاندان کیسے وجود میں آئے؟ اور جب وجود میں آجائے تو اس کے میل جول، رہن سہن، تعلقات ومعاملات کے احکام وقواعد کیا ہوں گے؟ یعنی خاندان کے افراد کے آپس کے تعلقات اور معاملات کی نوعیت کیا ہوگی؟ پھر اگر کسی وجہ سے یہ خاندان کامیاب نہ ہوسکے تو اس کے ختم کرنے کے آداب اور اخلاق کیا ہیں؟ خاندان کے کسی فرد کے انتقال کی صورت میں اس کی جائیداد کی تقسیم کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ وصیت کے ضوابط کیا ہیں؟ وغیرہ، وغیرہ، یہ وہ چیزیں ہیں جو احوال شخصیہ یا عائلی قوانین میں زیر بحث آتے ہیں۔

بعض فقہا نے اس کے لیے ''مناکحات'' کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے، یعنی نکاح اور اس کے متعلق آداب اور احکام۔

عام طور پر اہلِ علم نکاح اور اس کے متعلقات، نفقہ، حضانت، ولایت، طلاق، وراثت اور وصیت وغیرہ کے احکام وقواعد کو ''عائلی قوانین''، ''مناکحات'' یا ''احوال شخصیہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

جدیدیت سے متأثر اور اس کے پیروکاروں نے اسلام کے دیگر احکام کی طرح عائلی مسائل میں بھی تبدیلیاں لانے کی کوششیں کی ہیں اور ساٹھ کی دہائی میں اس موضوع پر کافی علمی بحثیں ہوئی تھیں، اور اس موضوع پر کئی مفید تحقیقی کتب چھپ کر منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

آج کل اس سلسلے کے بعض مسائل مختلف حلقوں میں زیر بحث ہیں، افسوس کہ ایسے اہم اسلامی احکام عوام الناس کی مجلسی گفتگو کا موضوع بنتے جارہے ہیں، جن پر ماہر اہلِ علم ہی اپنے مطالعے کی روشنی میں اظہار کا حق رکھتے ہیں۔ ہمارے پیشِ نظر ان مسائل کی اصولی نوعیت ہے، جن کی روشنی میں نہ صرف عائلی مسائل، بلکہ تمام جدید مسائل کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر واضح ہوجاتا ہے۔

جدید فقہی مسائل چاہے عائلی قوانین سے متعلق ہوں یا ان کے علاوہ دیگر مسائل سے متعلق

سب کے اصول وضوابط میں قدرِ مشترک تین باتیں قابل غور ہیں:

۱- وہ کونسے مسائل ہیں جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے؟

۲- ان مسائل کو حل کرنے والے علما کن اوصاف کے حامل ہونے چاہئیں۔

۳- ان مسائل کو حل کرنے میں کن اصولوں کو مدنظر رکھنا ہوگا؟

۱:.....پہلی بات یہ ہے کہ ایسے کونسے مسائل ہیں، جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے؟ تو اس کے بارے میں محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''دین کے احکام تین قسم کے ہیں:

۱:.....احکام منصوصہ اتفاقیہ، ۲:.....احکام اجتہادیہ اتفاقیہ، ۳:.....احکام اجتہادیہ خلافیہ

پہلی دو قسموں میں جدید اجتہاد کی قطعاً گنجائش نہیں۔ تیسری قسم میں بھی اجتہاد کی ضرورت نہیں سمجھتا، البتہ اتنی گنجائش ہے کہ اگر مذہب فقہ حنفی میں واقعی دشواری ہے اور امت محمدیہ واقعی تیسیر وتسہیل کی محتاج ہے اور اعذار بھی صحیح اور واقعی ہیں، محض وہمی وخیالی نہیں ہیں تو دوسرے مذاہب پر عمل کرنے اور فتویٰ دینے کی گنجائش ہوگی، اور ضرورت کس درجہ میں ہے؟ یا ہے بھی کہ نہیں؟ یہ صرف علما وفقہا کی جماعت طے کرے گی۔

چوتھی قسم مسائل کی وہ ہے جو جدید تمدن نے پیدا کیے ہیں اور سابقہ فقہ اسلامی کے ذخیرہ میں ان کا ذکر نہیں ہے، نہ نفیاً اور نہ اثباتاً، ان مسائل میں ان جدید تقاضوں کو پورا کرنا اور ان مشکلات کو حل کرنا دورِ حاضر کے علما کا فریضہ ہے، یعنی یہ کہ وہ ان مسائل کا قیاس واجتہاد سے قدیم ذخیرہ کی روشنی میں فیصلہ کریں۔''(۱)

۲:.....دوسری بات یہ کہ ان مسائل کو حل کرنے والے علما کن اوصاف کے حامل ہونے چاہئیں؟ اس کے متعلق علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں:

''ان علما میں حسب ذیل شرائط ہوں:

۱- اخلاص، ۲:- تقویٰ، ۳:- قرآن وحدیث وفقہ اسلامی میں مہارت ووسعت،

۴:- دقتِ نظر وذکاوت، ۵:- جدید مشکلات کے سمجھنے کی اہلیت۔

ان صفات کے ساتھ شخصی فیصلہ نہ کیا جائے، بلکہ ان صفات پر متصف جماعت ہو اور ان کے فیصلہ سے مسائل حاضرہ حل کیے جائیں''۔(۲)

۳:.....تیسری بات یہ کہ ان مسائل کو حل کرنے میں کن اصول وقواعد کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا؟ عائلی زندگی کے نو پیش آمدہ مسائل کے احکام کی تلاش اور اظہار وبیان میں جن امور واصول کو ملحوظ ہونا چاہیے، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بین الاقوامی کانفرنس کے محاضرہ میں یوں مذکور ہیں:

''امر اول: یہ کہ تمام تر اجتہاد اور فقہی قانون سازی کے اساسی منبع وماٰخذ صرف دو ہیں:

ایک قرآن محکم اور دوسرے سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم۔

امر دوم: یہ کہ خلفاء راشدین: ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی سنت اور ان کے بعد فقہاء صحابہؓ مثلاً: ابن مسعود، معاذ بن جبل، ابو الدرداء، زید بن ثابت، ابی بن کعب، ابو موسیٰ اشعری، حذیفہ، عمار، عبد الرحمن بن عوف، ان کے بعد ابن عمر، ابن عباس، ابن عمرو وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و آثار بھی استدلال اور حجیت میں لائق اتباع اور علوم نبوت کے انوار حاصل کرنے کے لیے مینارہ ہائے نور ہیں۔

امر سوم: یہ کہ امت محمدیہ کے اجماع، خصوصاً اہل حرمین شریفین کے اجماع (متوارث عمل)، فقہا و علماء امت کے اجماع کو بھی اصول دین کے اندر ایک ایسا محکم اور پائیدار مقام حاصل ہے کہ اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

امر چہارم: یہ کہ امت محمدیہ کا علمی اور عملی متوارث و متواتر ''تعامل'' جو قرنہا قرن سے چلا آرہا ہے، اس کا مرتبہ بھی اجماع صریح سے کم نہیں ہے۔

امر پنجم: یہ کہ وہ تمام ائمہ مجتہدین جن کے مذاہب مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے ہیں اور روئے زمین کے تمام متنفس مسلمان بلا استثنا اُنہیں کے مقرر کردہ اصول و فروع پر اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت کر رہے ہیں اور اُنہیں میں سے کسی ایک کے مسلک کی پیروی اور ان کے نقش قدم پر چلنے میں اپنی نجات کے معتقد ہیں۔ لہٰذا ائمہ مجتہدین اور ان کے مذاہب کی عظمت کا اعتراف دل کی گہرائیوں میں راسخ ہونا ازبس ضروری ہے، ان سے باہر نکلنے کا تصور بھی پاس نہ آنا چاہیے۔

امر ششم: یہ ہے کہ لائق فخر میراث (فقہ مذاہب اربعہ) جس کا امت محمدیہ کے ایسے ایسے مجتہدین نے امت کو وارث بنایا ہے، یہی وہ سب سے بڑی دولت و ثروت ہے جس سے امت ابد الآباد تک مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتی، ایسی صورت میں ''مسائل حاضرہ'' کے حل کرنے میں ان مذاہب کے مجتہدین سے بحث و استفادہ ازبس ضروری ہے۔

امر ہفتم: یہ کہ یہی قرآن حکیم، احادیث نبویہ، مسائل اجماع، مدون فقہ کے مسائل اور ائمہ مجتہدین کا تعامل اور طریقہ کار، اِن نو بنو مسائل و حوادث کے حل کرنے میں ہماری موثق رہنمائی کریں گے جو سلف کے زمانے میں نہ تھے، اس لیے کہ کتب فتاویٰ، کتب نوازل، اور ہر عہد میں کتب تجنیس و مزید اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ ہر زمانہ میں جو بھی نیا واقعہ یا حادثہ یا مسئلہ پیش آیا ہے، ہمارے فقہا نے اس کے حل کرنے میں مطلق کوتاہی نہیں کی ہے۔

امر ہشتم: یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ اور اس کے واقعات و حوادث قانونِ قدرت کے تحت برابر بڑھے چلے جا رہے ہیں اور بڑھتے چلے جائیں گے۔ ان میں وقوف اور ٹھہراؤ نام کو نہیں، اور جتنی کتابیں اب تک تصنیف کی گئی ہیں اور فتاویٰ دیئے گئے ہیں اور فقہا کے مسائل ہم تک پہنچے ہیں، وہ اس

جدید زمانے کے لیے یقیناً کافی نہیں ہیں۔اس لیے ہم مجبور یا مامور ہیں کہ ان جدید مسائل کو اسی ذخیرہ علم وہدایت کی روشنی میں حل کریں، جو ہم تک پہنچا ہے.....الخ۔

امر نہم: یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اور جس طرح بھی ہو سکے ہم ائمہ مجتہدین کے اقوال ہی سے استدلال کریں، اور فقہ مذاہب اربعہ سے باہر نہ جائیں، اگر چہ کسی خاص مسئلہ میں ان میں سے کسی ایک کا مسلک چھوڑ کر دوسرے کا مسلک اختیار کرنا پڑے، غرض ان مذاہب متبوعہ میں سے جس مذہب میں بھی عہد حاضر کی کسی پیچیدگی اور دشواری کا حل مل جائے اور اس سے وہ عقدہ لاینحل کھل جائے، اسی سے استدلال کریں اور اس کو دانتوں (مضبوطی) سے پکڑ لیں۔تاکہ ہر نئے مسئلہ میں جدید اجتہاد ہمارا مبلغ سعی نہ بن جائے اور ہمیں اجتہاد کا دروازہ ہر کس و ناکس کے لیے چوپٹ کھولنا نہ پڑے، اس لیے کہ فریضۂ وقت اور تقاضائے ضرورت نہ اجتہاد کے دروازہ کو بالکل کھول دینا ہے اور نہ بالکلیہ بند کر دینا اور اس پر سیل لگا دینا، بلکہ اس افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی راہ مستقیم ہے کہ ناگزیر ضرورت کے وقت اجتہاد کیا جائے اور وہ اجتہاد فقہ مذاہب اربعہ کے اصول اور طریقہ کار سے باہر اور آزاد نہ ہو''۔

اس پہلو سے درج ذیل اصول بھی راہنما ہیں، جو جسٹس ریٹائرڈ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کی تصویب کے بعد مرتب کئے تھے:

۱-''ہر مسئلہ کے اثبات کے لیے قرآن پاک کی کسی آیت کی تلاش اور اس کا حوالہ۔

۲-اگر مسئلہ سے متعلق قرآن پاک میں صریح حکم بلا اختلاف دلیل موجود ہو تو اُسے بلا چون و چرا قبول کرنا۔

۳-اگر حکم قرآنی صریح و بلا اختلاف موجود نہ ہو، بلکہ دلائل میں اختلاف ہو یا حکم معنوی ہو اور اس کی تعبیر میں مفسرین، محدثین، مجتہدین یا فقہاء کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہو تو اس کے معنی و مطلب کو متعین کرنے کی غرض سے مستند اور صحیح حدیث کی تلاش کرنا اور اس سے استدلال کرنا۔

۴-اگر کسی مسئلہ میں حکم قرآنی صریحاً یا معناً موجود نہ ہو تو احادیث نبویہ کی تلاش وحوالہ۔

۵-اگر حدیثیں آپس میں متعارض ہوں تو ان کا تاریخی جائزہ لینا اور اصول درایت کے تحت ان کی تخریج کرنا اور صحیح تر حدیث معلوم کر کے اس پر مسئلہ کی بنیاد رکھنا۔

۶-اگر کوئی مسئلہ حکم قرآنی یا حدیث صحیح سے ثابت نہ ہو، مگر اس مسئلہ کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفائے راشدینؓ یا ائمہ میں اتفاق پایا جاتا ہو تو اس کو اختیار کرنا۔

۷-اختلافِ ائمہ کی صورت میں فقہی قواعد واصول فقہ کی روشنی میں ائمہ کے دلائل کا جائزہ لینا اور یہ دیکھنا کہ زمانہ سابق میں اس مسئلہ میں خلافیات میں کس کو ترجیح دی گئی ہے اور کس

پر عمل رہا ہے؟ اگر وہ طریقہ زمانہ حال کے تقاضوں کے مطابق ہو تو اس کو اختیار کرنا۔

۸- اگر زمانہ سابق کا تعامل (Practice) زمانہ حال کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو تو مصلحت عامہ (جو قرآن وسنت کے احکام کے مغائر نہ ہو) کے اصول پر عمل پیرا ہو کر مختلف مکاتب فکر میں سے جس کے ساتھ حق نظر آئے، اس کی رائے کو ترجیح دینا اور اُسے اختیار کرنا۔

۹- اگر کسی مسئلہ میں نص موجود نہ ہو اور کسی بھی مکتب فکر کی رائے کا اتباع بوجوہِ معقول بالخصوص مصلحتِ عامہ کے نقطہ نظر سے (جو قرآن وسنت کے احکام کے مطابق ہو) قابل قبول نہ ہو تو ضروری اجتہاد سے کام لینا۔

۱۰- اجتہاد میں قرآن وسنت کی متابعت اور ادلہ شرعیہ کی پابندی کرنا۔"(۳)

بہر کیف وقت کا تقاضا ہے کہ شریعت کے ان اساسی اصولِ تشریع کو سامنے رکھ کر ان عصری مسائل کو حل کرنے کے لیے صحیح معیار اور درست پیمانہ پر قدم اُٹھایا جائے۔ صبر وضبط، تحمل وبردباری، دیانت داری وآہستہ روی اختیار کر کے علومِ قدیم وجدید میں ربط واتصال پیدا کیا جائے۔ نظر دقیق اور رائے صائب کے ذریعہ ان کو درست کر کے اس امانتِ الٰہیہ کی حفاظت کی ذمہ داری کا احساس وشعور ہر لحہ پیش نظر رکھا جائے، تاکہ وہ حل صحیح ہو۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی مقبول ہو اور عامۃ الناس کے نزدیک بھی پسندیدہ، دول ومما لک اسلامیہ کے لیے وہ قابل اعتماد طریق کار اور امت مسلمہ کے لیے لائق اتباع نمونہ ہو۔

لیکن افسوس صد افسوس! ایوبی دور میں ہماری مملکت خداداد پاکستان میں عائلی قوانین کے نام سے جو کام ہوا ہے، اس میں بجائے اس کے کہ مذکورہ بالا اصول کو مدنظر رکھ کر جدید مسائل کا حل نکالا جاتا اور قدیم فقہ کی روشنی میں نو بنو مسائل کا قابل قبول حل پیش کیا جاتا، احکام منصوصہ اتفاقیہ اور احکام اجتہادیہ اتفاقیہ میں بحث چھیڑ کر، نصوص کے خلاف بودے قسم کے دلائل قائم کر کے منصوص مسائل میں تشکیک پیدا کی گئی اور اسلام کا جدید ایڈیشن تیار کرنے کی کوششیں کی گئی۔ موجودہ اسلامی نظریاتی کونسل نے اس موضوع پر راست قدم اٹھائے ہیں، جس پر آزاد خیال حلقے حسب معمول تنقید کا فریضہ انجام دے کر حوصلہ افزائی کی بجائے حوصلہ شکنی کا باعث بن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں ہدایت نصیب فرما کر صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے اور اسلام کے نام پر حاصل کی گئی اس مملکت خداداد میں اسلام سے متصادم قانون سازی کے بجائے درست معنوں میں دین اسلام کی تشریح کرنے کی توفیق مرحمت فرما دیں۔ آمین

مآخذ ومراجع

۱:.....بنوری، محمد یوسف، ماہنامہ بینات، صفر ۱۳۸۴ھ

۲:.....ایضاً

۳:.....تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، جلد: ۱، ص: ۱۸-۱۹